© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

جماعت اسلامی کی بحالی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور دیگر زعماء کی رہائی کے بالکل غیب سے سامان پیدا کر کے اپنی خاص رحمت اور تائید کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں جن کے ذریعہ ہم اپنے دلی احساسات کا اظہار کر سکیں۔ ہم اُس مالک الملک کے حضور میں دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں ہمیشہ حق و صداقت کے راستے پر گامزن رکھے اور آخرت میں ہماری ساری کوتاہیوں اور لغزشوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہمیں یومِ حشر کی ذلت و خواری سے بچائے اور اُن لوگوں کے زمرے میں شامل کرے جو اُس کی نظرِ کرم کے مستحق ہیں۔

جماعت اسلامی اور اُس کے قائد کے ساتھ جو نا روا سلوک ہوا ہے وہ اگرچہ ایک دلخراش داستان ہے اور برسرِ اقتدار طبقے کی غیر حقیقت پسندانہ بلکہ منتقمانہ ذہنیت کی پوری طرح غمازی کرتا ہے لیکن اس کے باوجود مستقبل کے بارے میں مایوس ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اس ملک کے سیاسی افق پر بلاشبہ بڑی تیزی کے ساتھ تیرگی پھیل رہی ہے مگر اس تاریک فضا میں روشنی کے بہت سے مینار موجود ہیں جو بڑی پامردی کے ساتھ تاریکیوں کی مزاحمت کر رہے ہیں اور اُن کے غلبے کی ہر کوشش کو ناکام بنا رہے ہیں۔

نور کے اِن مختلف میناروں کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان میں سب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ مضبوط، سب سے زیادہ درخشاں اور سب سے زیادہ تابناک مینار خود "دینِ حق" ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس وقت اس نور نے اس برِ اعظم میں اپنی حیات آفریں کرنیں پھیلانی شروع کیں اس وقت اُس میں وہ تابناکی باقی نہ رہی تھی جو ہمیں حضور سرورِ کائنات اور آپؐ کے جلیل القدر رفقاء کے مبارک دور میں نظر آتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس نے اس ملک کی پوری فضا کو منور کر دیا۔ اس شمع کے روشن ہوتے ہی یہاں کے ظلمت کدوں میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ انسان کے فکر و نظر پر تنگ نظری، تعصب اور جہالت کے جو پردے صدیوں سے پڑے ہوئے تھے اس نے انہیں چاک کیا۔ یہاں کے لوگ اسی کی بدولت زندگی اور اس کے حقیقی مسائل پر آزادانہ غور کرنے کے قابل ہوئے۔ اُن کی نظر میں وسعت، فکر میں بلندی اور نقطۂ نگاہ میں حقیقت پسندی پیدا ہوئی۔ اسلام کی آمد کے بعد اہلِ ہند کے افکار و تصورات اور اُن کے معاشرتی ڈھانچوں میں جو عظیم تبدیلیاں ہوئی ہیں وہ سب اسی "نور" کی رہینِ منت ہیں۔

اِسے مسلمانوں کی اپنی کوتاہی اور بدنصیبی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس ملک میں سات سو سال حکمران رہنے کے باوجود اس کے سارے باشندوں کے قلب و دماغ پر اسلامی تعلیمات کے نقوش پوری طرح مرتسم نہ کر سکے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اسلام میں دلوں کو مسخر کرنے کی قوت نہ تھی، بلکہ اس ناکامی کا بڑا سبب خود مسلمانوں کا طرزِ عمل تھا۔ وہ جس دین کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اُن کی زندگیاں اُن کے اس دعوی کی پوری طرح تائید نہ کرتی تھیں۔ اُن کی سیاسی اور معاشرتی سرگرمیوں میں جاہلیت کی بہت سی جھلکیاں نظر آتی تھیں۔ جب کسی دین کے علمبردار ہی اُس کے معاملے میں یکسو نہ ہوں تو اس دین کے متعلق دوسرے لوگوں کا اندازِ فکر بڑی حد تک بدل جاتا ہے۔ وہ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ اگر یہ نظریۂ حیات سراپا خیر ہی ہے تو آخر اس کی محبت اور پیروی کا دم بھرنے والے اسے پوری طرح کیوں نہیں اپناتے۔ اس طرزِ استدلال میں خواہ کتنا ہی منطقی سقم ہو لیکن لوگ بالعموم اسی نہج پر سوچتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کو دینِ حق تسلیم کرنے کے باوجود اُس سے نیم دلانہ وابستگی نے اگرچہ ہمارے لیے بہت سی پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں، اور خصوصاً مسلمان بادشاہوں اور امراء کے طرزِ عمل سے ہماری تاریخ کا رُخ کسی دوسری سمت مڑ گیا ہے، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ پاک و ہند کے مسلمانوں کی زندگی صرف اسی دین کے دامن میں پناہ لینے کی وجہ سے محفوظ رہی ہے۔ اس کی مقناطیسی قوت نے ہماری ملت کے مائل بہ انتشار اجزاء کو باہم مربوط رکھا، اس کے معاشرتی نظام نے اسے دوسری اقوام سے الگ اور ممتاز کر کے اُسے ایک مستقل ملی وجود عطا کیا۔ پھر اسی سے مسلمانوں نے ہر گام پر زندگی کی حرارت حاصل کی۔ آپ اس برِ عظیم میں اگر مسلم قوم کی زندگی کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلام ہی وہ واحد سہارا تھا جس سے اس کا چراغ مخالفتوں اور مخاصمتوں کے طوفانوں میں گھر کر بھی مسلسل جلتا رہا۔ پھر یہ معاملہ صرف اُس کی بقا تک ہی محدود نہیں۔ اس کے اندر ترقی کرنے اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو واپس لانے کے لیے جتنی تحریکات اٹھیں اُن کی تہ میں ہمیشہ ایک چبھتا ہوا احساس موجود رہا ہے کہ ہماری اجتماعی زندگی کا ڈھانچہ اُس نقشے کے مطابق مرتب نہیں ہوا جو ہمیں حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے دیا تھا۔ یہ چبھتا ہوا احساس ہماری زندگی کی سب سے قیمتی متاع ہے جس نے ہمیں اسلام سے کم کسی چیز پر راضی نہیں ہونے دیا۔ اکبر کے خلاف مجدد الف ثانیؒ کی جدوجہد، اور کفر کی بڑھتی ہوئی یلغار کے مقابلے میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا جہاد سب اسی مقدس احساس کے مختلف مظاہر ہیں۔

ممکن ہے بعض حضرات اس جذبہ کی غیر معمولی قدر و قیمت سے پوری طرح واقف نہ ہوں۔ لیکن انہیں اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ قوموں کی زندگی میں اس قسم کے احساسات و جذبات بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اقوام کی زندگی انہی احساسات سے وابستہ رہے تو یہ بات زیادہ صحیح ہوگی۔ سوچیے کہ آخر وہ کونسا جذبہ تھا جس نے ہمیں ہندو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوم کے اندر مُدغم ہونے سے بچاتے رکھا؟ وہ کونسا احساسِ زیاں تھا جس سے بے تاب ہو کر ہم نے وقت کے جباروں اور قہاروں کے خلاف ٹکر لی اور اس کے نتیجے میں جان و مال اور عزت و آبرو نک لٹا ڈالی۔ اگر اسلام کی عظمت کا نقش ہمارے دلوں پر ثبت نہ ہوتا اور اس کی محبت تمام دوسرے رشتوں پر غالب نہ ہوتی تو آج ہمارا بھی حشر انہیں اقوام کا سا ہوتا جنہوں نے اپنے نصب العین کو بھلا کر خود فراموشی جیسے جُرم کا ارتکاب کیا ہے۔

قوموں کی زندگی روایات سے عبارت ہوتی ہے، نصب العین کی محبت اُن کے اندر آگے بڑھنے کی تڑپ اور اپنی قوتوں کو ایک راہ پر لگانے کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ اور مقصد کا عشق راستے کی ساری مزاحمتوں اور دشواریوں کو مٹا کر رکھ دیتا ہے۔ جو قوم اپنے سامنے کوئی واضح نصب العین نہیں رکھتی وہ قوم نہیں بلکہ راکھ کا ایک ڈھیر ہے جسے ہوا کے تھپیڑے جس طرف چاہتے ہیں اڑا کر لے جاتے ہیں۔

تھوڑی دیر کے لیے ماضی کو نظر انداز کر کے ذرا قیامِ پاکستان کے بعد کے واقعات پر نگاہ ڈالیے اور دیکھیے کہ اس دین نے ہمیں کس قسم کے خطرات سے بچایا ہے۔

پاکستانی قوم جن عناصر پر مشتمل ہے اُن کے درمیان سوائے اسلام کے اور کوئی چیز بھی مشترک نہیں۔ ہمارے ملک میں نہ جغرافیائی وحدت موجود ہے نہ لسانی وحدت۔ ہمارے ہاں رنگ و نسل کا بھی کوئی اشتراک نظر نہیں آتا۔ اسلامی روایات کے سوا کوئی ایسی روایات بھی ہمارے پاس نہیں جن سے وابستگی ہمارے اندر احساسِ یگانگت پیدا کرے۔ ہر طرح کے بے شمار اختلافات کے باوجود ہم محض اللہ کے فضل سے ایک متحد اور باہم مربوط قوم ہیں، کیونکہ اسلام کے مضبوط رشتے نے ہماری ملت کے مختلف عناصر کو ایک دوسرے سے جوڑ رکھا ہے

اس ملک پر گزشتہ چند سالوں میں جس قسم کے مصائب نازل ہوئے ہیں اور حکمران

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طبقوں نے مختلف اوقات میں اس کے جذبات کو جس بے دردی کے ساتھ کچلا ہے انہیں یہ قوم محض اسلام کی محبت کی وجہ سے برداشت کرتی رہی اور مضمحل اور مایوس ہونے کی بجائے نہایت حوصلہ شکن حالات میں بھی دین کے خلاف ہر قسم کے حربوں اور سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے پوری جرأت کے ساتھ جدوجہد کرتی رہی۔

اسلام مسلم قوم کی قوت کا واحد سرچشمہ ہے۔ اُس کی تابندہ روایات اس کی زندگی کے ہر گوشے میں سرایت کیے ہوئے ہیں۔ اس کی رگ رگ میں اسلام کے اثرات اس طرح گھرے اُترے ہوئے ہیں کہ کوئی طاقت انہیں کھُرچ کر نہیں نکال سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ جو گروہ بھی اس تاریخی قوت کو نظر انداز کرکے کوئی قدم اٹھاتا ہے وہ ناکام ہو جاتا ہے اور آئندہ بھی جو ایسا کرے گا وہ لازماً نامراد ہو کر رہے گا۔ اس قوت کا اندازہ کرنے کے لیے عقل کی کوئی زیادہ مقدار درکار نہیں صرف یہ دیکھیے وہ حضرات جنہیں اس ملک میں بلا شرکتِ غیرے کئی سال تک اقتدار حاصل رہا اور جنہوں نے اپنی قوت و طاقت کے زعم میں اسلامی شریعت کے اندر "اصلاح" کے بعض ایسے "انقلابی کارنامے" انجام دیئے جن کی جرأت انگریز بھی نہ کر سکتا تھا، وہ بھی آج عوام کے سامنے اپنے آپ کو نادم پاتے ہیں اور انھیں بار بار اس امر کا یقین دلا رہے ہیں کہ وہ اپنی ان انقلابی "اصلاحات" کو واپس لینے پر آمادہ ہیں۔ ان لوگوں کے وعدوں میں کس حد تک صداقت ہے اس سے ہمیں اس وقت کوئی بحث نہیں۔ اس کا فیصلہ تو بطنِ مستقبل میں پنہاں ہے۔ یہاں ہمیں صرف اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ خوش قسمتی سے ہمارے پاس اسلام کی شکل میں ایک ایسا نصب العین موجود ہے جس کی روشنی میں ہم بھلے اور بُرے کے درمیان تمیز کر سکتے ہیں، اپنی منزل کے خطوط متعین کر سکتے ہیں اور اپنے افعال و اعمال اور حسن کارکردگی کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اگر ہماری رہنمائی کے لیے اسلام کا نور نہ ہوتا تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم ضلالت کی کن خطرناک اور تاریک وادیوں میں بھٹکتے پھرتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کے بعد دوسری چیز جس کی ہمیں دل و جان سے قدر کرنی چاہیے اور جس کے خلاف ہر قسم کی کوشش کو ناکام بنانے کے لیے ہمیں سر دھڑ کی بازی لگانے سے بھی گریز نہ کرنا چاہیے وہ جمہوریت ہے۔ یہ انسان کی بڑی خوش بختی ہے کہ اس نے صدیوں کے ناقابلِ بیان مصائب اٹھا کر اور جان و مال کی بے شمار قربانیاں دے کر رائے عامہ کو برسرِ اقتدار لانے کے لیے ایک پُرامن راستہ دریافت کیا ہے۔

فکر و عمل کے اس عظیم انقلاب کے پیچھے صرف ایک احساس ہی کارفرما ہے کہ انسان کو بحیثیت انسان اس کے خالق و مالک نے جو شرف عطا کیا ہے وہ اسے حاصل ہو، اور اس شرف کی بنا پر اسے جو حقوق فطرت کی طرف سے ملے ہیں ان سے کوئی شخص یا ادارہ اس کو محروم نہ کر سکے۔

آپ اگر تاریخ پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انسانیت کے مختلف طبقات کے درمیان جو کشمکش اول روز ہی سے چلی آ رہی ہے اس کی تہ میں ان حقوق کی حفاظت اور پاسبانی کا جذبہ کارفرما رہا ہے۔ اہلِ غرض، خواہ کسی مرتبہ اور مقام پر ہوں، انسان کے ان بنیادی حقوق پر ڈاکہ ڈالتے رہے ہیں اور دوسری طرف انسان نے سب سے زیادہ زحمت انہی کی حفاظت کے لیے اٹھائی۔ اس کشمکش کے مظاہر یوں تو ہمیں مذہب، تجارت، معیشت اور معاشرت، غرض زندگی کے سارے شعبوں میں دکھائی دیتے ہیں لیکن اس کا سب سے بڑا میدان سیاست رہا ہے۔ کسی ملک کے اندر چند مقدس مستثنیات کو چھوڑ کر جب کوئی فرد یا طبقہ اقتدار کے تخت پر متمکن ہوا تو اسے سب سے زیادہ اس بات کی فکر دامنگیر ہوئی کہ جس بلند و بالا منصب کو اس نے حاصل کر لیا ہے، وہ کسی نہ کسی طرح اسے ہمیشہ کے لیے اپنے حق میں محفوظ کر لے اور دوسروں پر اس کے دروازے قطعی بند کر دے۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے انسانوں کو شرفِ انسانیت سے محروم کرنا ضروری سمجھا تاکہ وہ بھیڑ بکریوں کا ایک گلہ بن جائیں جنہیں اقتدار کی لاٹھی اپنی منشا اور مرضی کے مطابق جس طرف چاہے ہانک کر لے جائے اور ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دل اپنی اس بے بسی پر نہ تو مضطرب اور پریشان ہوں اور نہ ہی اس ظالمانہ روش کے خلاف ان کے اندر کوئی تحریک پیدا ہو۔

دوسری طرف نوعِ بشری نے بحیثیت مجموعی جس چیز کے تحفظ کے لیے سب سے زیادہ قربانی دی ہے وہ یہی شرفِ انسانیت اور اپنے بنیادی حقوق کا تحفظ ہے۔ وہ بیچاری بسا اوقات حالات کے ہاتھوں بے زبان جانوروں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئی، لیکن اُس کی فطرت اس ذلت کے خلاف ہمیشہ بغاوت کرتی رہی اور اسے اس بات پر اُبھارتی رہی کہ وہ اس پست اور ذلیل مقام کو ... پر کبھی آمادہ نہ ہو۔

اس کشمکش کی صورتیں حالات کے مطابق بدلتی رہی ہیں۔ تاہم تحفظِ حقوق کی جدوجہد کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ جاری رہی، یہاں تک کہ انسان نے صدیوں کی محنت اور قربانی کے بعد اپنے حقوق کو حکمران طاقتوں سے پوری طرح تسلیم کروا لیا اور انہیں اس حقیقت کے ماننے پر مجبور کر دیا کہ انسان کی حیثیت سے حاکم و محکوم سب برابر ہیں، اُن کے فطری حقوق پر کوئی شخص یا طبقہ دست درازی کرنے کا مجاز نہیں اور اُن کی رائے ہی ملک کے انتظام و انصرام میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔

ان امور کے طے ہو جانے کے بعد پھر یہ سوال حل طلب تھا کہ رائے عامہ کو ملک اور قوم کے اندر مؤثر قوت بنانے اور اُس کی بالادستی قائم کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس معاملہ کو بھی بڑی مصیبت اور بڑی جانفشانی سے طے کیا گیا۔ رائے عامہ کو غالب آنے کے لیے بے شمار مزاحمتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور ہر موقع پر نہ صرف جان و مال کا غیر معمولی زیاں ہوتا بلکہ ملک کا امن و امان تباہ ہو کر رہ جاتا تھا۔ اس مقصد کا حصول چونکہ آرام اور سکون کے ساتھ امن پسندانہ فضا میں ممکن نہ تھا اس لیے لوگ مشتعل ہو کر رائے عامہ کی حکمرانی قائم کرنے کے لیے آگے بڑھتے۔ دوسری طرف برسرِ اقتدار طبقے پوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شدت کے ساتھ ان کے راستے میں مزاحم ہوتے اور جبر و استبداد کے سارے ہتھکنڈے استعمال کرکے اُن کی راہ روکتے۔ اس کا اثر یہ ہوتا کہ تبدیلی کے یہ جذبات کسی تعمیری مقصد میں صرف ہونے کے بجائے چڑ اور ضد سے بہک کر تخریب کی راہ پر بہ نکلتے۔ جس سے ملک کی پوری فضا شعلۂ جوالہ بن جاتی اور اس کے اثرات انقلاب کے بعد مدتوں قائم رہتے۔

کسی قوم کے لیے اس سے زیادہ تکلیف دہ اور کوئی عذاب نہیں ہو سکتا کہ اس کے اندر اپنے حقوق کا پُورا طرح شعور موجود ہو اور معاشرے میں اُن کی بنیادی اہمیت کو پُوری طرح تسلیم بھی کر لیا جائے لیکن جن لوگوں پر ان حقوق کی حفاظت کا فرض عائد ہوتا ہو وہ انہیں ہر وقت غصب کرنے کے درپے رہیں اور قدم قدم پر قوم کو ان کے تحفظ کے لیے حکمرانوں سے دست و گریباں ہونا پڑے۔ اس قسم کے مخدوش بلکہ روح فرسا حالات میں افراد یا جماعتیں اپنی صلاحیتوں کو تعمیری کاموں میں آخر کس طرح لگا سکتی ہیں۔ تعمیری کام پُرامن اور سازگار ماحول کا طالب ہے، ایسا ماحول جو ہر قسم کی بیکار کشاکش سے یکسر پاک ہو اور جس میں مختلف طبقوں کے درمیان منافرت اور حقارت کے جذبات کے بجائے تعاون کا جذبہ کارفرما ہو۔ جس معاشرے کی ساری قوتیں بار بار شرف انسانیت تسلیم کروانے اور انسانی حقوق کو منوانے میں صرف ہوتی رہیں، اُس میں لوگوں کی تعمیری صلاحیتیں کس طرح پروان چڑھ سکتی ہیں۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں ہر وقت سر پھٹول رہے، جہاں انسانیت کے دشمن انسانی شرف کے درپے آزار رہیں۔

جہاں ڈر اور خوف کے بل بوتے پر اجتماعی نظم قائم ہو اور جہاں لوگوں کو اپنے بنیادی حقوق کے بارے میں بھی کوئی یقین اور اطمینان نہ ہو وہاں کسی تعمیر کا خیال پریشان خیالی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

یہ انہی تلخ حقائق کے احساس کا نتیجہ تھا کہ انسانوں نے اگر ایک طرف انسانی شرف کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحفظ کے لیے پیہم اور مسلسل جدوجہد کی تو دوسری طرف انہوں نے رائے عامہ کو پُرامن طریق سے غالب لانے کے لیے دستوری اور آئینی جدوجہد کا ایک ایسا راستہ تلاش کیا جس کے ذریعہ بڑے امن کے ساتھ، کوئی خون بہائے بغیر، حکومت میں قوم کی خواہش اور مرضی کے مطابق تبدیلی لائی جاسکے۔ یہ انسانیت کی انسان دشمن طاقتوں پر ایک عظیم فتح تھی جس سے پوری آدمیت کو بہت بڑا فائدہ حاصل ہوا۔ چنانچہ آج اس امر کا فیصلہ کہ اقتدار کے تخت پر کون لوگ متمکن ہوں، قاضیٔ شمشیر کی بجائے رائے عامہ کی عدالت سے طلب کیا جاتا ہے اور اس کا دیا ہوا فیصلہ بڑی آسانی کے ساتھ نافذ ہوجاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قوم کی جو قوت رائے عامہ کو غالب کرنے میں صرف ہوتی تھی اُسے اب دوسرے تعمیری کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

یہ انسانیت کا ایک ایسا قابلِ قدر تجربہ ہے جس سے ہمیں پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ خوش قسمتی سے ہم اس تجربہ سے نہ صرف پوری طرح آشنا ہیں بلکہ اس کی خوبیوں کو اچھی طرح جانتے ہیں اور اس کے عملی پہلوؤں سے بھی پوری پوری واقفیت رکھتے ہیں۔

پھر ہمیں اُن بدنصیب ممالک کا حشر بھی معلوم ہے جہاں حکومت میں تبدیلی ووٹ کے بجائے شمشیر کے ذریعہ لائی جاتی ہے۔ دوسرے ممالک کو تو فی الحال نظر انداز کیجیے خود مسلم ممالک کی تشویشناک صورت حال کو دیکھیے کہ وہاں کے عوام کو حکمرانوں اور برسرِ اقتدار طبقوں کی تبدیلی کے لیے ہر قدم پر آگ اور خون کے کس خوفناک سمندر میں سے گزرنا پڑرہا ہے۔ انقلاب کی جب کوئی ہلکی سی لہر بھی اٹھتی ہے تو وہ ان بدنصیب ممالک کے لیے کسی روشن مستقبل کا پیغام لانے کے بجائے بربادی کا پیغام لاتی ہے۔ تغیر کی معمولی جنبش کے ساتھ ہی دیوِ استبداد بالکل بدمست ہوکر حرکت میں آجاتا ہے اور ایسے گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے کہ جن سے درندوں کی گردنیں بھی ندامت سے جھک جائیں۔ پھر اس جبر کا ردعمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شروع ہوتا ہے اور انتقام کی آگ کچھ مدت اندر ہی اندر سلگ کر اچانک بھڑک اٹھتی ہے اور ایک ملک کی پوری انسانی آبادی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ جن باشندوں پر ہمیشہ ڈر اور خوف مسلط رہے، جن کے جذبات ہمیشہ متلاطم رہیں اور جن کے ذہنوں میں بجز انتقام کے اور کوئی چیز موجود نہ ہو اُن کی حالتِ زار کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

ہم اپنے پاکستان کے حکمرانوں اور یہاں کے عوام سے بڑی دردمندی کے ساتھ یہ عرض کرتے ہیں کہ وہ براہِ کرم کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے یہ ملک بھی آمریت کی راہ پر چل نکلے اور اقتدار کی تبدیلی ہمارے لیے بھی وہی مصائب پیدا کر دے جو آج دوسرے مسلم ممالک کو درپیش ہیں۔

اس ضروری اصلاح کی ذمہ داری سب سے پہلے حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے۔ انہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ملک اُن کی کوئی میراث نہیں بلکہ اس کی سربراہی کا منصب ان کے پاس محض ایک امانت ہے۔ اُن کی حیثیت مالک کی نہیں بلکہ امین کی ہے۔ قوم جب تک اپنی آزاد مرضی سے اُن پر اعتماد کرے اسی وقت تک انہیں اقتدار کے تخت پر متمکن رہنے کا پورا پورا حق ہے۔ مگر جس وقت قوم اُن پر اپنا اعتماد کھو بیٹھے اور وہ ان کی جگہ کسی دوسرے گروہ کو یہ امانت سونپنا چاہے تو برسرِ اقتدار طبقے کو اس راہ میں قطعاً حائل نہ ہونا چاہیے بلکہ بڑی خوشی کے ساتھ رائے عامہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیے۔ تختِ اقتدار پر متمکن حضرات کو اس بات کا پورا اختیار ہے کہ وہ اپنے کارناموں سے عوام کو آشنا کریں، اپنی خدمات کی قدر و قیمت سے انہیں آگاہ کریں اور اس طرح انہیں اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ اپنی مرضی سے ملک کی زمامِ کار اُن کے ہاتھ میں پھر سونپ دیں۔ لیکن انہیں اس بات کا کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ تنقید کی آواز کو دبائیں، یک طرفہ پروپیگنڈے سے عوام کو دھوکہ دیں، صحیح حالات پر پردہ ڈالیں، غلط باتیں زبردستی باور کرائیں اور ناجائز تدابیر سے رائے عامہ کے غالب آنے میں مزاحم ہوں۔ اس معاملے میں معمولی سی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لغزش اور کوتاہی بھی ملک و ملت کا ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے کیونکہ اس قسم کے حربے عوام کو لیسا اوقات نہایت خطرناک راہوں پر ڈال دیتے ہیں۔ برسرِ اقتدار طبقے اگر ملک کے حقیقی بہی خواہ اور اُس کی ترقی اور خوشحالی کے دل و جان سے آرزومند ہیں تو انہیں تخت اقتدار سے چمٹے رہنے کے بجائے عوام کو اس بات کے پورے مواقع فراہم کرنے چاہییں کہ وہ اپنی منشا کے مطابق جس گروہ کو چاہیں اختیارات کی باگیں سونپ دیں تاکہ یہ تبدیلی بغیر کسی ادنیٰ مزاحمت کے عمل میں لائی جا سکے

اس کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ انتخابات ہمیشہ ایک معیّنہ مدت کے بعد، اور بغیر کسی دباؤ کے منعقد کیے جاتے رہیں۔ حکمراں گروہ کو جب اس امر کا احساس ہو کہ اُسے قوم نے یہ امانت ایک خاص مدت کے لیے سونپی ہے اور اس کے گزر جانے کے بعد اسے قوم کے سامنے اپنا دفترِ عمل پیش کرنا ہے تو اُس کے دل میں لازمی طور پر رائے عامہ کا احترام پیدا ہوتا ہے اور وہ کوئی کام محض حکمرانی کی ترنگ میں آکر کرنے سے گریز کرتا ہے۔ اُس کے سارے کارنامے اُس کے ذاتی نظریات اور رجحانات کے بجائے عوامی رائے کے ترجمان ہوتے ہیں اور اُس کی سرگرمیاں ذاتی مفادات کے گرد گھومنے کے بجائے اجتماعی مفادات کے لیے وقف ہو جاتی ہیں۔ جب حاکم و محکوم کے مفادات ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوں تو اُن کے تعلقات کشیدگی اور منافرت کے جذبات پر استوار ہونے کے بجائے محبت اور اخلاص کی بنیاد پر استوار ہوتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہنے کے بجائے ایک دوسرے کے نزدیک آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حکمران طبقہ یونانی دیوتاؤں کی طرح اقتدار کے نشے میں بدمست ہو کر محلات اور ایوانوں کے اندر سنگینوں کے پہرے میں رہنا گوارا نہیں کرتا بلکہ عوام کے قریب آکر اُن کے دل کی دھڑکنوں کو سنتا ہے، اُن کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور انہیں اپنی مشکلات اور اُن کے فرائض سے آگاہ کرتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری طرف عوام حکمرانوں کو اپنے اور اپنے مفادات کا دشمن سمجھنے کے بجائے انہیں اپنا حقیقی خیر خواہ اور جاں نثار خیال کرتے ہیں۔ انہیں اُن کی دیانت، امانت اور اخلاص پر پورا پورا بھروسا ہوتا ہے اور وہ اس بات کے لیے اُن کے ممنونِ احسان ہوتے ہیں کہ انہوں نے محض قوم کی فلاح و بہبود کی خاطر یہ بارگراں اٹھایا ہے۔ اس لیے وہ حکمرانوں کی ہر آواز پر دل وجان سے لبیک کہتے ہیں، ہر قدم پر اُن کی معاونت اور دستگیری کرتے ہیں اور ہر مشکل میں اُن کا پُورے خلوص کے ساتھ ہاتھ بٹاتے ہیں۔

جمہوریت انسانوں کی اُسی آبادی میں پنپ سکتی ہے جہاں لوگوں میں اپنے حقوق وفرائض کا احساس ہو اور انہیں رائے عامہ کی بالادستی قائم کرنے کے مواقع میسّر آئیں۔ آج اگر پاکستان میں جمہوری روایات اچھی طرح پروان نہیں چڑھیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس ملک کے باشندوں نے شرفِ انسانیت کو تیاگ دیا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ان روایات کو پوری طرح نشوونما پانے کا موقع نہیں دیا گیا۔ اس ناکامی کی سب سے زیادہ ذمہ داری اس ملک کے حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے۔ ان حضرات نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ یہاں اقتدار کا سرچشمہ عوام کے بجائے نوکر شاہی طبقہ ہے اس لیے انہوں نے عوام کو اعتماد میں لینے کے بجائے جوڑ توڑ اور سازش کے ذریعہ کسی نہ کسی طرح تختِ اقتدار پر قبضہ کیا اور پھر انتظامیہ کے بل بوتے پر لوگوں پر حکومت کرنی شروع کر دی۔ ان کے اس غلط طرزِ عمل کا پورے ملک اور اس کے سارے طبقوں کو شدید نقصان اٹھانا پڑا ہے۔

تختِ اقتدار قوم کی قوت وطاقت کا مرکز بننے کے بجائے نہایت گھٹیا قسم کی سازشوں کا اڈا بن گیا۔ حکمرانوں کے دل سے رائے عامہ کا احترام بالکل جاتا رہا اور انہوں نے عوام کی خدمت کے بجائے اُن لوگوں کی جائز و ناجائز سرپرستی شروع کی جو انہیں کسی طرح اقتدار کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرسی پر مسلط کر سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن ملازموں کا اصل کام ملک کو بیرونی خطرات اور اندرونی خلفشار سے بچانا تھا وہ ان سازشوں میں براہِ راست شریک ہو گئے اور انہوں نے اپنے حدود سے تجاوز کر کے وہ کارہائے نمایاں انجام دینے شروع کر دیئے جو دراصل ان کے فرائض اور اختیارات سے بالکل خارج تھے۔ جو شخص یا طبقہ اپنے اصل فرائض کو چھوڑ کر اپنے ذمہ کچھ دوسرے غیر ضروری کام لے لیتا ہے وہ کسی دائرہ میں بھی کوئی مفید خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ اس سے اس کی استعداد کار میں کمی آ جانا بالکل ناگزیر ہے۔ چنانچہ اس ملک کی انتظامی مشینری کا بھی یہی حشر ہوا۔ وہ حضرات جن کے سپرد مختلف شعبوں کا انتظام و انصرام تھا انہوں نے اپنی صلاحیتوں کو اپنے فرائض منصبی کی بجاآوری میں صرف کرنے کے بجائے دھڑے بندیوں میں کھپانا شروع کر دیا اور اس طرح ملک کا نظم و نسق درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ آپ اپنے گردوپیش پر نگاہ ڈالیے اور دیکھیے کہ یہاں ایک عام شہری کی زندگی کس طرح عذاب بنتی جا رہی ہے۔ جن کارندوں کو لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا فرض سونپا گیا ہے، ان کا بیشتر وقت برسرِ اقتدار گروہ کے مفادات کی پاسبانی میں صرف ہوتا ہے اور اس لیے وہ اُن ذمہ داریوں کی طرف توجہ دینے سے قاصر ہیں جن کی بجاآوری کے لیے انہیں عوام کے خزانے سے معاوضہ دیا جاتا ہے۔ کوئی اخبار اٹھا کر دیکھیے آپ کو سماج دشمن عناصر کی ستم رانیوں کے بیسیوں واقعات ایک ہی صفحہ پر نظر آئیں گے۔ غریب اور بے سہارا عورتیں راہ چلتے اٹھا لی جاتی ہیں اور پھر ان کا کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا۔ بے گناہ لوگ دن دہاڑے قتل ہو جاتے ہیں اور قاتلوں کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ بدنصیب بچے ہر روز اغوا کیے جاتے ہیں، اُن کے والدین اُن کی جدائی میں گھل گھل کر دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں، لیکن انہیں اپنے ان جگر گوشوں کا دیدار نصیب نہیں ہوتا۔ کیا ان معصوم کلیوں کو آسمان اچک لیتا ہے یا زمین نگل جاتی ہے؟ آخر ان کا کیوں کوئی کھوج نہیں ملتا؟ جو پولیس اقتدار سے اختلاف کرنے والوں کے پیچھے ہر وقت سایہ کی طرح لگی رہتی ہے اور اس معاملے میں اس کی کارکردگی کا یہ عالم ہو کہ اُن کی کوئی حرکت اس کی خوردبین نگاہوں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بچ نہ سکے اُس کے بارے میں یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اُجڑے ہوئے گھروں کو اُن کے اغوا شدہ بچے اور بچیاں واپس دلا کر انہیں آباد نہیں کر سکتی۔ اور جو سماج دشمن عناصر اس قسم کے گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں انہیں کیفر کردار تک پہنچانے کی ہمت نہیں رکھتی۔ وہ اگر اس معاملے میں ناکام ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اس کام کی اہلیت اور استعداد نہیں رکھتی بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے بعض ایسے کاموں میں الجھا دیا گیا ہے جو اُس کے فرائض میں کسی حیثیت سے بھی داخل نہیں ہیں۔

نیک اور اچھے مقاصد اچھے طریقوں ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ جب اقتدار جوڑ توڑ، سازش اور دھاندلی سے حاصل کیا جائے تو اس کے لیے بے ضمیر، اخلاق سے عاری، طالع آزما اور غنڈے لوگوں کی خدمات نہایت ضروری ہوتی ہیں۔ اقتدار کے حریص تختِ اقتدار پر فائز ہونے کے ساتھ ہی ایسے لوگوں کی تلاش شروع کر دیتے ہیں جن کا نہ کوئی ضمیر ہو اور نہ ایمان۔ جو صاحبِ اقتدار کے ہر کام پر خواہ وہ اخلاقی، دینی یا قومی نقطۂ نظر سے کتنا ہی غیر مفید اور غلط ہو، تعریف و توصیف کے ڈونگرے برسانے کے لیے تیار رہیں اور اُس کے لُطف کو کسی تلخ اور ناگوار بات سے کرکرا نہ کریں۔ بلکہ اُسے ہر وقت یہی باور کراتے رہیں کہ حضور کی نگاہ سے زیادہ دُور رس کوئی نگاہ نہیں، حضور کی فراست سے زیادہ کسی کی فراست نہیں اور حضور کے تدبر سے زیادہ دنیا میں کسی اور کا تدبر نہیں۔ حضور ملت کی کشتی کے واحد ناخدا ہیں اور اگر خدانخواستہ حضور اس کام سے دستکش ہو گئے تو پھر اس ناؤ کو طوفانوں کی زد سے کوئی دوسرا بچا نہ سکے گا۔ اس طالع آزما طبقے کی روش میں اتنی ہمواری ہوتی ہے کہ وہ ہر اُس فرد یا گروہ کو جو برسرِ اقتدار ہو اسی قسم کے تاثرات دیتا ہے اور جونہی وہ اس سے محروم ہوتا ہے تو اُس کی ساری برائیاں دفعتاً اُس پر آشکارا ہو جاتی ہیں اور وہ "تخت نشینوں" کے ساتھ مل کر نئے فرش نشینوں کو کوستا ہے۔ خوشامدیوں کا یہ ٹولہ کسی کا وفادار نہیں ہوتا بلکہ ہر چڑھتے سورج کی پرستش کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طبقے کے علاوہ دوسرا گروہ جس کی خدمات سے اقتدار کے حریص نتائج سے یکسر بے پروا ہو کر فائدہ اٹھاتے ہیں وہ غنڈوں اور سماج دشمن عناصر پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ ہر شریف معاشرے کے لیے عذاب ہوتے ہیں اور اپنی اخلاق سوز سرگرمیوں کی وجہ سے پوری سوسائٹی کو جہنم بنا دیتے ہیں۔ ملک میں اگر کوئی فرض شناس انتظامیہ کارفرما ہو تو ہر وقت انہی کی روک میں لگی رہتی ہے اور امن پسند شہریوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کو ان سے بچاتی ہے۔ کوئی معقول اور شریف انسان انہیں منہ نہیں لگاتا۔ البتہ جب کوئی گروہ دھونس اور دھاندلی کے ذریعہ اقتدار کے تخت کو حاصل کرنے کا تہیہ کر لے اور اس پر مدت دراز تک بالجبر قابض رہنے پر تل جائے تو پھر وہ اسی بدکردار عنصر کو اپنے مقاصد کے لیے اچھی طرح استعمال کرتا ہے۔ اس کی مدد سے شریف لوگوں کو ڈرا دھمکا کر خاموش رہنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ اسی کے ذریعہ سے اقتدار کی مخالف طاقتوں کو دبایا جاتا ہے۔ اسی کے ذریعہ سے رائے عام کو غالب آنے سے روکا جاتا ہے، اسی کی وساطت سے اپنی بے پناہ طاقت و مقبولیت کے مصنوعی مظاہرے کیے جاتے ہیں، اور اسی ہتھیار کو آخر کار انتخابات جیتنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ عنصر اتنا بے وقوف تو نہیں ہوتا کہ دوسروں کا آلۂ کار بن کر بس ان کی خدمت انجام دینے ہی پر اکتفا کر جائے۔ وہ اپنی ان خدماتِ جلیلہ کے عوض لازماً حکمران طبقوں سے مختلف قسم کی مراعات حاصل کرتا ہے۔ حکمرانوں کو انہیں جرائم کی کھلی چھٹی دینی پڑتی ہے۔ وہ دیدہ دلیری کے ساتھ سمگلنگ کرتے ہیں، چوریاں کرتے ہیں، ڈاکے مارتے ہیں، اغوا کرتے ہیں، قتل کرتے ہیں شریفوں کی عزت و آبرو پر ہاتھ ڈالتے ہیں، اور ملک کی انتظامی مشینری ان کے خلاف حرکت میں آنے سے عاجز رہتی ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ وہی لوگ جو انہیں اپنے عہدِ اقتدار میں مخالفوں کو ہراساں اور پریشان کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، تختِ اقتدار چھن جانے کے بعد خود ان کی ستم رانیوں کا تختۂ مشق بنتے ہیں لیکن اس سے کوئی عبرت حاصل نہیں کرتے۔

(باقی ص ۱۲۴ پر)

© rasailojaraid.com